تاثرات

انڈیا آفس لائبریری

انڈیا آفس لائبریری کا مسئلہ بعض دوسرے مسائل کی طرح ایک مستقل کھکھیڑ بن گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر اس میں اختلاف رائے کی مشکل ہی سے گنجائش نکالی جاسکتی تھی۔ مطالبہ بالکل سادہ اور مبنی برحقیقت ہے کہ جب پاکستان اور بھارت انگریزی استعمار سے مخلصی حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اور دونوں نے آزادی و استقلال کی کئی منزلیں طے کر لی ہیں تو اس کے ذخیرہ علمی کو بھی قید غلامی سے رہائی ملنا چاہیئے لیکن انگریز اگر دعوی کی اس سادگی سے متاثر ہو جائے، اور آسانی سے یہ بات مان لے، تو اس میں دقت یہ ہے کہ پھر اس کے تدبر اور ڈپلومیسی کی داد کون دیگا اور اس کی عقل و فراست کو کون سراہے گا۔ اس کی تو دیرینہ روایات ہیں کہ کہیں اگر بدرجہ مجبوری جھکنا بھی پڑے تو قاعدہ سے، اور کسی حق سے دستبردار ہونے کی نوبت بھی آئے، تو سو سو تامل اور پھیر کے بعد ـــــ اس لئے مایوس ہوئے بغیر مطالبہ کرنے والوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اس دشواری پر قابو پانے کے لئے مسلسل اور اعلیٰ پیمانے پر جدوجہد کی ضرورت ہے۔ انگریز کے ہر لیت و لعل کے باوجود باہمی کوششوں اور مساعی کو اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے، جب تک کہ ہماری یہ علمی دولت ہم کو لوٹا نہیں دی جاتی ـــــ کون نہیں چاہتا کہ اپنے علمی و تہذیبی سرمایہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائے، اور اپنے ہاں اہل علم کے تنقیدی و تصنیفی کام کے لئے وسیع تر کتب خانہ کا اہتمام کرے اس بنا پر بھارت کی اگر یہ خواہش ہے، تو بالکل بجا ہے اور پاکستان یہ چاہتا ہے تو بہت صحیح ہے، کوئی منطق اس کو جھٹلانے والی نہیں اور کوئی آئینی پیچیدگی اس سلسلہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ تصفیہ طلب یہ بات رہ جاتی ہے۔ کہ کتابوں کو کیونکر منتقل کیا جائے، تقسیم کے اصول کیا ہوں اور کس نہج سے پاکستان اور بھارت اپنی اس دولت پر قبضہ کریں۔ تو اس کا تعلق انگلستان کے ارباب سیاست سے نہیں بلکہ پاکستان اور بھارت کے اہل علم سے ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تقسیم کے بغیر اور کسی سمجھوتہ پر دونوں ملک متفق نہیں ہو سکتے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے، کہ بادی النظر میں تصفیہ آسان نہیں کیونکہ بھارت اور پاکستان کے مشترکہ علمی ذخیرے کو دو مستقل تہذیبوں کی بنا پر دو حصوں میں منقسم قرار دینا عملاً محال ہے۔ اس لئے کہ یہ عین ممکن ہے کہ جن کتابوں کے بارے میں بھارت کی یہ رائے ہو کہ ان کا لگاؤ بھارت کی تہذیب سے ہے، وہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے نقطۂ نگاہ سے بھی کم اہمیت کی حامل نہ ہوں اور ان کا اتنا ہی تعلق اسلام یا مسلمانوں سے ہو، جتنا کہ ہندوؤں اور ان کی تہذیب سے ہو سکتا ہے۔ تاہم ہماری یہ پختہ رائے ہے کہ اگر پاک و ہند کے اونچے درجے کے اہل علم سر جوڑ کر بیٹھیں گے، تو کچھ نہ کچھ اصول تقسیم کے دریافت کر ہی لینگے اور کہیں کہیں کتابوں کی اگر تقسیم ممکن نہ بھی ہو، تو بھی یہ ہو سکتا

ہے کہ ان متنازع فیہ کتابوں کی حد تک فائدہ و استفادہ کو مشترک رکھا جائے ـــــ بہر حال اصل مسئلہ یہ ہے کہ انگریز سے اپنا یہ سرمایہ واپس لینا چاہیئے ۔ یہ نہیں کہ پہلے ہم تقسیم کے اصولوں پر متفق ہو لیں اور پھر یہ دولت ہمارے سپرد کی جائے ۔ ـــ ہندوستان نے اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے ہاں کے بہترین لوگوں کو نیاز کیا ہے، جو پورے یورپ میں گھوم پھر کر رائے عامہ کو ہموار کر رہے ہیں، اس صورت میں کیا ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم بھی اپنے ہاں کے اعلیٰ درجے کے اہل علم کو اس غرض کے لئے یورپ بھیجیں ۔ جو انڈیا آفس لائبریری کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہمارے آبا و اجداد کی علمی کوششوں نے ہمارے لئے کن نوادر کو چھوڑا ہے، اور کن کن عجائب علمی کو جنم دیا ہے ۔

تذکار ابراہیم

جب یہ پرچہ چھپکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچیگا، اس وقت آپ عید الاضحیٰ کی تقریب سے فارغ ہو چکے ہونگے، یہ قربانی کی عید ہے اور بے مثال ایثار اور محبت الٰہی کی یادگار ہے، اس کا تعلق حضرت ابراہیم کے ایک تاریخی خواب سے ہے جس میں انھوں نے آج سے سینکڑوں برس پہلے دیکھا کہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے لخت جگر کو ذبح کر رہے ہیں ۔ چونکہ پیغمبر تھے اس لئے اپنے رویا کو جھوٹا تو کہہ نہ سکے، ناچار اس کو اشارہ الٰہی پر محمول کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ جذبہ اطاعت و امتثال امر کی فراوانیاں اور جوش دیکھئے کہ بغیر تاویل و تعبیر کا سہارا لئے سچ مچ حضرت اسمٰعیل کی گردن پر چھری پھیرنے پر تیار ہو ہی گئے ـــــ بیٹے سے مشورہ کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ بھی خدا کی راہ میں بخوشی جان دیدینے پر آمادہ ہیں ۔ گویا نہ بوڑھے باپ نے کہا، کہ خواب ہی تو ہے، اس کو پورا کرنا کیا ضرور ہے ؟ نہ معصوم بیٹے نے سوچا کہ خواب تو ابا نے دیکھا ہے، میں اپنی جان عزیز مفت میں کیوں گنواؤں ۔ دونوں اللہ کے عشق میں سرشار اور کڑی سے کڑی آزمائش میں پڑنے کے لئے بے تاب ۔

اس واقعہ پر لیل و نہار کی ہزاروں ہی گردشیں گزر چکیں اور اس اثنا میں کردار و عمل کے بیسیوں ہی نمونے، تاریخ کے صفحات پر ابھر چکے ۔ لیکن جو بات اس داستان محبت و ایثار میں پنہاں ہے، اس کا جواب نہیں ہو سکا ۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی پورے عالم اسلامی میں، ان کی یاد میں حج کا فریضہ ادا کیا جاتا ہے اور قربانی کی عید منائی جاتی ہے ۔ اور اس طرح ان کی داستان محبت و اطاعت کو ہر سال زندہ کیا جاتا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے لئے اس تقریب میں افادی پہلو کیا ہے ۔ گوشت پوست اور لہو کے شرائے، تو اس تک پہنچنے سے رہے ۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا، ولکن ینالھا التقوی منکم ۔ تقویٰ کی البتہ رسائی ہے، مگر یہ تقویٰ کیا ہے ؟ جو قربانیوں سے حاصل ہونا چاہیئے ۔ محبت الٰہی کا وہ درجہ اور تعلق باللہ کا وہ مقام، جہاں پہنچ کر ایک مسلمان، سوا اس نصب العین کے اور ہر شئے سے دستبردار ہو جاتا ہے ـــــ نہ مال سے اس کی محبت برقرار رہتی ہے، نہ اعزہ و اقارب ہی اس کے آڑے آتے ہیں اور نہ اپنی جان سے ہی پہلا سا لگاؤ قائم رہتا ہے یعنی اس کی زندگی رضاء الٰہی کے ایک ایسے موڑ میں داخل ہو جاتی ہے، جہاں کلیتہً یہ اپنے کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے ـــــ یہ ہے

اس تقریب کا تقاضا ـــــ

خدا کرے، عیدالاضحیٰ کی مسرتوں میں شریک ہونے والوں کو اس کی اصلی سعادتوں سے بھی کچھ حصہ ملے، اور وہ اس تقاضہ کو دل سے محسوس کریں۔

جشنِ استقلال اور ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

عید کے دو ہی ہفتہ بعد پاکستان کا جشنِ استقلال ہے، یہ دن اپنے دامن میں کس درجہ شادمانیوں اور مسرتوں کو لئے ہوئے ہے، اس کا اندازہ کچھ انہی قوموں کو صحیح معنوں میں ہو سکتا ہے جنھوں نے سیاسی غلامی کا مزہ چکھا ہے، جنھوں نے بہترین ذہنی صلاحیتوں کے باوجود ترقی کی راہوں کو سراسر مسدود دیکھا ہے اور عزتِ نفس اور قومی خودداری کو بارہا ذلیل و رسوا ہوتے دیکھا ہے، جو جانتی ہیں کہ غلامی و عبودیت کی زنجیروں کو کاٹنے کیلئے کتنی محنت اور تگ و دو کرنا پڑتی ہے، اور مصائب و محن کی کن کن کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے ـــ یوں تو آزادی کی جد و جہد اور اس میں کامیابی و کامرانی اس دور میں ایسا واقعہ ہرگز نہیں کہ ہم ہی اس پر تنہا ناز کر سکیں کیونکہ ہمارے علاوہ دُنیا کی کتنی ہی دوسری قوموں نے اپنے ہاں کی حکومتوں کو بدلا ہے، جمہوریت و عدل کی طرف تیزی سے قدم بڑھائے ہیں اور حریت و آزادی کی پاکیزہ آب و ہوا کو پا لینے میں حیرت انگیز کوششیں کی ہیں تاہم اس حقیقت سے کس کو انکار کی جرأت ہو سکتی ہے کہ ہماری غلامی اور جد و جہدِ آزادی دوسری تمام قوموں سے قطعی مختلف رہی ہے۔ دوسروں نے سیاسی لڑائی میں صرف ایک حکومت ایک اقتدار اور ایک ہی بالا دستی کے خلاف اپنی مساعی کو مرکوز کیا ہے اور جنگ کو دو مختلف محاذوں میں تقسیم نہیں کیا، جبکہ ہمارے سامنے دو دو بڑی طاقتیں تھیں اور دو ہی نوع کی معرکہ آرائیاں تھیں۔ ایک طرف انگریز اپنے تمام ہتھکنڈوں اور استبدادیوں کے ساتھ صف آرا تھا۔ دوسری طرف ہندو اجارہ داری اپنے پورے پھیلاؤ، اور وسعتوں کے ساتھ راستہ روکے ہوئے تھی۔ مقابلہ کی نوعیت کتنی تلخیوں کی حامل اور کتنی نزاکتوں پر مشتمل تھی۔ اس کا ہلکا سا تصور بھی دوسری قومیں نہیں کر سکتیں ـــ ایک اور بھی امتیاز ہے، جس سے ہماری خوشیاں اور مسرتیں سہ چند ہو جاتی ہیں۔ ہمارا یہ جشنِ استقلال صرف انگریز کی ملوکانہ دراز دستیوں کے خلاف فتح و ظفر کا مترادف نہیں۔ صرف اسلئے وجہ صد ناز نہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک تنگدل قوم کے تعصبات سے چھٹکارا حاصل ہوا، بلکہ ہماری شادمانیوں کا بڑا اور اصلی سبب یہ ہے کہ ہم نے مادیت کے اس دور میں ایک ایسا نظریۂ حیات پیش کیا جو اعلیٰ تہذیبی اقدار رکھتا ہے اور ایسی تہذیب و ثقافت پیش کی، جو رنگ و بو کی مضرتوں سے بالکل پاک ہے ـــ ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء کا دن ہماری کتابِ زندگی ہی میں نہیں، بلکہ نوعِ انسان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہے ـــ اسکے معنی یہ ہیں کہ مادیت کے اس زمانہ میں ایک ملک ایسا بھی ہے اور ایک قوم اس انداز کی بھی ہے جسکے سامنے ایک متعین تہذیبی نقشہ ہے اور ایک جانا بوجھا عمرانی نصب العین ہے۔ اور جو اس وقت بھی روحانی و اخلاقی قدروں کو پھیلانے کا عزم صمیم رکھتی ہے ـــ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ نصب العین کتنا اونچا ہے اور اس کے لئے قوت و ارادہ اور عزم و تدبیر کو کس کس ڈھنگ سے آزمانا ضروری تھا، اور جد و جہد اور عمل کو زندگی کے کن کن گوشوں اور خانوں میں منعکس ہونا تھا۔ حریت و استقلال کی نعمتوں سے بہرہ مندی پر اب کی آٹھ برس گزر جائینگے۔ یہ مانا کہ ملکوں اور قوموں کی زندگی میں آٹھ برس کا عرصہ زیادہ طویل عرصہ نہیں ہوتا لیکن ان آٹھ برسوں میں ہم اپنے عزیز اور محبوب نصب العین کی طرف کتنا بڑھے ہیں۔ اس کا جائزہ

تو لینا ہی چاہیئے ۔ سیاسیات کو جانے دیجئے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن تہذیبی اقدار اور جن ثقافتی ممیزات پر ہم نے اپنے دلکش دعوٰی کی بنیاد رکھی تھی ۔ علمی اور نظریاتی حد تک ہی سہی ۔ اس میں ہماری کامیابیوں اور کامرانیوں کا کیا حال ہے ؟ اور جس اسلام کے بارہ میں ہم نے یہ کہا تھا کہ پورے عالم انسانی کا یہ مذہب ہو سکتا ہے ۔ اسکی تعبیر اور ترجمانی کے سلسلہ میں ہماری خدمات کا کیا عالم رہا ۔ اس عرصے میں اسلامیات پر سستے اور کاروباری ڈھب کی چیزیں تو فی الواقع منظر عام پر آئی ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سنجیدہ اور محنت و کاوش سے لکھی ہوئی کتابوں کیلئے آنکھیں ترستی ہی رہیں ۔ دوسروں کی طرف سے زیادہ کہنے سننے کا ہم کو حق نہیں پہنچتا ۔ مگر جہاں تک ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا تعلق ہے البتہ ہمیں بیباک دل کہنے کی اجازت دیجئے کہ اس نے بہت تھوڑے عرصہ میں بہت سارا کام کر ڈالا ہے ۔ اس نے متعدد ایسی کتابیں شائع کی ہیں جن سے اسلام کے تصورات نکھر کر نگاہ احتساب کے سامنے آتے ہیں ۔ اور اس کے نظریۂ حیات سے متعلق ایسے صحتمند اور متوازن خیالات کی وضاحت ہوتی ہے جو سب کے لئے قابلِ قبول ہیں ۔ اس ادارہ کی کوششوں سے قدیم و جدید میں روابط کا احساس ہوتا ہے اور اس کی علمی و ادبی مساعی سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ ماضی میں ہمارے اسلاف نے دنیا کے ثقافتی سرمایہ میں کتنا گرانمایہ اضافہ کیا ہے ؟ ــــ از راہ بد مذاقی کچھ الفاظ فروش ہمیں الحاد و زندقہ کا طعنہ دے رہے ہیں ۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمیں اس بات کی مطلق پروا نہیں کہ کون کن اغراض کے تحت ہمارے بارہ میں کیا کہہ رہا ہے ۔ ہمارے سامنے ایک اہم مقصد ہے جسے بہر حال پورا کرنا ہے اس وقت تک ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کو مختصراً دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :۔ ایک حصہ تشریحی لٹریچر پر مشتمل ہے ۔ اس میں اقتصادیات ، ثقافت اور سائنسی افکار کے نقطۂ نظر سے جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں انکی روشنی میں اسلام کی ترجمانی کی گئی ہے ــــ دوسرے حصہ میں ان حکیمانہ افکار کی پردہ کشائی کی گئی ہے جن کو رومی ، ابن خلدون اور غزالی نے پیش کیا ہے ــــ ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو ہر ہر کام میں حکومت کا منہ تکتے رہتے ہیں ، ہمارے نزدیک قوم صرف حکومت ہی سے تعمیر نہیں ، بلکہ اس کا مزاج ، عوام اور نظم و نسق کے سربراہوں سے مل کر ترکیب پاتا ہے ۔ لہٰذا اگر پاکستان کو ایک جغرافیائی وحدت کی سطح سے اٹھا کر ایک ثقافتی ایکائی کی سطح تک پہنچانا ہے جیسا کہ طے ہے تو اس کے لئے اہلِ علم کو اپنی خدمات کا ایک نقشہ بنانا چاہیئے ۔ ہم اپنی حد تک یقین دلاتے ہیں کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے اس سے بہت زیادہ انشاء اللہ آئندہ ہوگا ۔ ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ سیاسی اور اقتصادی استقلال سے بھی کہیں زیادہ بیش قیمت اور اہم ثقافتی و علمی استقلال ہے جس کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ہم یہ کہینگے کہ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے ، کہ کوئی ملک علم و فکر کی گہرائیوں سے محروم رہ کر بھی زندہ رہ سکتا ہے یا کسی قوم میں تہذیب و تمدن کے خد و خال اجاگر کئے بغیر بھی زندگی کی صحیح روح پھونکی جا سکتی ہے ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ بحمد اللہ اس حقیقت سے آگاہ ہے ، اسلئے اس بات کا تہیہ کئے ہوئے ہے کہ ہر ہر جشن استقلال پر یہ اپنی طرف سے بیش قیمت مصنفات کا نذرانہ پیش کرتا رہیگا ۔ تاکہ علم و ذوق کے معاملہ میں ہم زندہ قوموں کا ساتھ دے سکیں اور اپنے علمی پندار کو بہر نوع قائم رکھ سکیں ــــ پاکستان زندہ باد

محمد حنیف ندوی